سیّد سلیمان ندوی اور سیرِ افغانستان

ڈاکٹر آصف علی چٹھہ
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

SYED SULEMAN NADVI AND SAIR-E-AFGHANISTAN

Asaf Ali Chatha, PhD
Assistant Prefessor of Urdu
Department of Urdu, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Syed Suleman Nadvi was a renowned literary personality of the Subcontinent. He was a biographer, researcher, historian, letter writer, linguist, Muhaddith, critic and travelogue writer. Besides editing journals like Al-Hilal, Al-Nadva and Muraif, he penned a number of books on various topics. He travelled to Afghanistan along Allama Iqbal and Sir Raas Masod on the invitation of King of Afghanistan Nadir Shah. The basic purpose of the visit was consultation for establishing educational system in Afghanistan especially the University of Kabul. Resultantly, Sir Raas Masod wrote some essays on education while Allama Iqbal composed his famous mathnavi Musafir and Syed Suleman Nadvi came up with a travelogue under the title of Sair-e-Afghanistan. This article is a special study of Nadvi's Sair-e-Afghanistan.

Keywords:

علامہ اقبال، سرراس مسعود، سید سلیمان ندوی، مولانا محمد علی جوہر، سید حسین، سیر افغانستان، بریدِ فرنگ

سید سلیمان ندوی کی علمی، ادبی، تحقیقی اور مذہبی خدمات محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ وہ بیک وقت ایک سیرت وسوانح نگار، مورخ، محقق، مکتوب نگار، ماہر لسانیات، محدث، مفسر، نقاد، اور سفرنامہ نگار تھے۔ 'الندوہ'، 'الہلال' اور 'معارف' کی ادارت کے علاوہ ارض قرآن، عربوں کی جہاز رانی، ہند اور عرب کے تعلقات، حیاتِ امام مالکؒ، سیرت عائشہؓ، حیات شبلی، عمر خیام، نقوشِ سلیمانی اور سیکڑوں مضامین آپ کے علمی وادبی مرتبے کا منہ بولتا ثبوت ہیں بالخصوص شبلی نعمانی کی وفات کے بعد سیرت النبیﷺ کی تکمیل ایسا قابل فخر کارنامہ ہے جو ہماری ادبی تاریخ کی نہایت درخشاں مثال ہے۔

'بریدِ فرنگ' اور 'سیرِ افغانستان' آپ کے سفرِ یورپ اور سفرِ افغانستان کا حاصل ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آپ نے ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر اور سید حسین کی معیت میں سفرِ یورپ اختیار کیا۔ سید صاحب نے اس سفر سے متعلق اپنے قریبی احباب کو متعدد خطوط لکھے۔ ان خطوط کو مرتب کر کے 'برید فرنگ' کے نام سے ایک سفرنامے کی صورت میں شایع کیا گیا۔ یہ خطوط مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا مسعود علی ندوی، عبدالماجد دریابادی اور ابوظفر ندوی وغیرہ کے نام ہیں۔

'سیر افغانستان' کا پس منظر یہ ہے کہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں محمد نادر شاہ والیٔ افغانستان نے کابل یونیورسٹی کے قیام اور نئی تعلیمی منصوبہ بندی کے لیے سر راس مسعود، علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی کو دورۂ افغانستان کی دعوت دی تو اس سفر کی روداد سید صاحب کے سفرنامے 'سیر افغانستان' کی صورت میں سامنے آئی۔ یہ سفرنامہ ابتدا میں رسالہ معارف میں قسط وار شایع ہوتا رہا، بعدازاں کتابی صورت میں منصۂ شہود پر آیا۔ علامہ اقبال کی مثنوی ''مسافر'' بھی اسی سفر کی یادگار ہے اور سر راس مسعود کے تعلیم کے موضوع پر متعدد مضامین بھی اس پس منظر کی دین ہیں۔

سید سلیمان ندوی اور ان کے رفقا نے افغانستان کے علمی وصنعتی اداروں، سکولوں اور مدرسوں کا دورہ کیا۔ والیٔ افغانستان کو تعلیمی مشورے بھی دیے، انھیں افغانستان کے نظام تعلیم کے نقائص سے آگاہ کیا اور نصاب میں اصلاح کے لیے تجاویز بھی پیش کیں۔ یوں یہ سفرنامہ اس دور کے افغانستان کو سمجھنے کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔

اردو میں افغانستان کے دیگر سفرناموں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو سید فدا حسین عرف نبی بخش کے سفرنامے 'تاریخِ افغانستان' کو اولیت کا اعزاز حاصل ہے، یہ سفرنامہ ۱۸۳۹ء میں شایع ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں محمد علی قصوری کا سفرنامہ 'مشاہداتِ کابل و یاغستان' منظر عام پر آیا۔ اسی طرح مولانا عبیداللہ سندھی اور مولوی شمس الدین کے سفرنامے بالترتیب 'کابل میں سات برس' اور 'سیاحت افغانستان' کے نام سے ۱۹۲۱ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔

مشاہیر میں سید ابوالحسن علی ندوی کا سفرنامہ 'کابل سے یرموک تک' بھی قابل ذکر ہے جس میں مغربی ایشیا کے چھ مسلم ممالک افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور اردن کی سیاحت کا اجمالی ذکر ہے۔

افغانستان کے دیگر سفر ناموں میں ڈاکٹر منظور ممتاز کا 'کشور محمود و بابر' مجاہد بریلوی کا 'طورخم کے اس طرف' اور رضی عزیزی کا 'ہمارے بھی سفرنامے' شامل ہے۔ سید سرور گیلانی کا سفرنامہ 'یادوں کے نقوش' بھی ایران، عراق اور افغانستان کی سفری یادوں پر مشتمل ہے۔ محمد حمزہ فاروقی کے سفرنامے 'زمان و مکاں اور بھی ہیں' میں اردن، شام، لبنان، ترکی، آسٹریا، یوگوسلاویہ، ایران اور افغانستان کے حالاتِ سفر ہیں۔ ابن انشاء کے سفرنامے 'دنیا گول ہے' میں بھی دیگر ممالک کے علاوہ افغانستان کی سیاحت کا تذکرہ ہے۔

آل احمد سرور کا مختصر سفرنامہ 'کابل میں ایک ہفتہ' خاص طور پر قابل ذکر ہے جو حال ہی میں پہلی دفعہ شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی کے تحقیقی مجلّہ بازیافت میں شایع ہوا ہے۔ سفرنامے کی تدوین کا سہرا ممتاز محقق ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے سر ہے۔ سرور صاحب نے جون ۱۹۶۶ء میں ایک سیمی نار میں شرکت کے سلسلے میں یہ سفر اختیار کیا تھا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے مطابق حسین میراں کاشمیری کا ایک سفرنامہ بھی سیر افغانستان کی یادگار ہے، لیکن بسیار کوشش کے باوجود یہ سفرنامہ دستیاب نہیں ہوسکا۔

بہر حال متذکرہ سفرناموں کے ایک سرسری جائزے سے یہ بات مترشح ہے کہ اردو میں افغانستان کے سفرناموں کی ایک وقیع روایت موجود ہے البتہ سید سلیمان ندوی کا سفرنامہ 'سیر افغانستان' متعدد زاویوں سے انفرادیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر انور سدید سیر افغانستان کی اسی خوبی کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

'سیر افغانستان' ایک ایسا سفرنامہ ہے جس میں سید سلیمان ندوی نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کی گم شدہ تصویروں کو نادر شاہ بادشاہ کے آزاد افغانستان میں دیکھنے کی سعی کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سید صاحب کو افغانستان میں بہت مختصر قیام کا موقع ملا تاہم سید سلیمان ندوی کی آنکھ ایک عام سیاح سے مختلف تھی۔ ان کا داخل تاریخ کے ان ادوار سے روشن تھا جن کی تابانیوں سے قرون وسطیٰ کو جلا ملی تھی۔ چنانچہ چار دن کے اس مختصر سے عرصے میں ہی سید صاحب نے افغانستان کی سیاسی، مجلسی، معاشرتی اور تاریخی آثار کو پوری خوبی کے ساتھ سمیٹ لیا اور اپنے وسیع مطالعے کی اساس پر انھیں اس انداز میں مرتب کیا کہ مشاہدہ اور تاثر میں کیمیائی امتزاج پیدا ہوگیا اور دیدہ شنیدہ کے علاوہ تاریخی مطالعے کے ساتھ بھی مل گیا۔ (۱)

سید سلیمان ندوی اپنے وسیع مطالعے بالخصوص گہرے دینی و تاریخی شعور کے باعث مسلمانوں کے ماضی و حال سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ جب وہ کسی بھی شہر یا علاقے کا قصد کرتے ہیں تو مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے نقوش ان کے جذبات و احساسات کے لیے مہمیز کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً سید صاحب جب غزنی روانہ ہوتے ہیں تو اس شہر اور اس کے مشاہیر سے سید صاحب کی محبت چھلک چھلک جاتی ہے۔

ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''تیس اکتوبر ۱۹۳۳ء کی صبح کو جب بیدار ہوا تو اس خیال سے خوشی ہورہی تھی کہ آج اس غزنین کو دیکھوں گا جس کا نام سیکڑوں مرتبہ لکھا، زبان سے ہزاروں مرتبہ لیا اور آنکھوں سے

لاکھوں دفعہ پڑھا۔ غزنین۔ سلطان محمود کا غزنین۔ جس کا نام کبھی دنیا میں رعب وہیبت بٹھاتا تھا، جس کے آستانے پر ارباب کمال کا ہجوم رہتا تھا، جس نے صدیوں اسلام کی راہنمائی اور ہندوستان پر فرماں روائی کی۔ عنصری، فرخی، فردوسی اور سنائی کا غزنین جس نے ہمارے ادبیات کی دنیا میں غیر فانی شہرت حاصل کی اور جس کی سیاسی تاریخ مورخین عالم کی تحققات کا مدت سے موضوعِ بحث ہے۔''(۲)

سید سلیمان ندوی ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ دین متین کے گہرے مطالعے نے ان کے افکار وخیالات کو افراط وتفریط کا شکار کہیں بھی نہیں ہونے دیا۔ جب وہ خرقہ شریف کی عمارت میں پہنچتے ہیں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کا ملبوس اقدس موجود ہے تو انتہائی متوازن رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس قسم کے تبرکات کی نسبت میرا خیال یہ ہے کہ گو ان کی تاریخی حیثیت ہم پر واضح نہیں اور نہ اس نسبت کی صحت پر دلیلیں ظاہر ہیں لیکن پھر بھی جمہور کثیر اس نسبت کی صحت کا قائل ہے۔ اس بنا پر اس کے انکار کی بھی کوئی صاف قوی دلیل ہمارے پاس نہیں، اس لیے اگر ہم نسبتِ نبوی ﷺ کا پاس ادب کریں تو شاید یہ آئین محبت کے مطابق ہو، تاہم ظاہر ہے کہ اس محبت کے آثار و کیفیات مشرکانہ رسوم اور مشرکانہ طریق ادب کی صورت میں ظاہر نہ ہونے چاہئیں۔''(۳)

سید سلیمان ندوی نے سیرت نگاری اور سوانح نگاری میں قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ سیرِ افغانستان کے دوران میں بھی جب کبھی کسی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہیں تو ممدوح کے ظاہری و باطنی اوصاف کو کمال ہنر مندی سے آئینہ کر دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر سرور خاں گویا کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کا نام سرور خاں اور گویا تخلص ہے۔ یہ امیر عبداللہ خان مرحوم کے زمانے کے مشہور سردار عبدالقدوس خان کے پوتے ہیں۔ پچیس تیس سال کے درمیان عمر ہوگی۔ فارسی کے علاوہ عربی اور انگریزی بھی جانتے ہیں۔ شعر وشاعری کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ فارسی میں کم کوئی اچھا شعر ہوگا جو ان کو یاد نہ ہو۔ شعر العجم اور میرزا مظہر کے خریطۂ جواہر کے تمام منتخب اشعار ان کے نوک زبان ہیں۔ اندازہ ہے کہ پچیس تیس ہزار اشعار ان کو یاد ہوں گے۔ اخلاق پسندیدہ، اطوار شائستہ، ذہن رسا، مذاق عالی، تذکروں کے حافظ اور قلمی کتابوں کے جویا۔ فارسی تحریر کا سلیقہ بہت خاصہ رکھتے ہیں۔ کابل کی شاہی انجمن کے ادبی رکن رکین ہیں۔ رسالہ کابل میں ان کے مضامین چھپا کرتے ہیں۔''(۴)

اسی طرح شاہ نادر خاں شہید کا مختصر مگر جامع خاکہ یوں پیش کرتے ہیں:

''تھوڑی دیر کے بعد اعلیٰ حضرت شاہ نادر خاں مرحوم تشریف لائے۔ پھریرا بدن، بالا قامت، جسم پر سیاسی مائل مخطط سوٹ، پاؤں میں بوٹ، سر پر کلاہ اور دستار، ہاتھوں میں

سپید دستانے۔ مسجد میں وہ نہایت سادگی کے ساتھ داخل ہوئے۔ اہل مسجد سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے یعنی جن صفوں سے وہ گذرے، وہاں لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوئے اور نہ واعظ صاحب نے اپنا وعظ بند کیا۔ موحد مسلمانوں کی یہ ادا کس قدر موثر ہے کہ خانۂ خدا میں غیر خدا کی تعظیم نہیں۔''(۵)

سید صاحب کے سفرنامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کہیں بھی اپنے قاری کو تنہا نہیں چھوڑتے، بلکہ سفر کی بعض جزئیات کو اس قدر دلچسپی سے بیان کرتے ہیں کہ شنید میں دید کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ چند مناظر ملاحظہ فرمائیں:

''اب ہم درۂ خیبر کے اندر داخل ہو گئے دونوں طرف پہاڑوں کا طویل سلسلہ اور بیچ میں درہ کا پر پیچ راستہ تھا۔ حکومت انگریزی نے اپنے حدود تک سڑک نہایت عمدہ بنوائی ہے۔ درہ کا سب سے تنگ مقام مجھے وہ نظر آیا جہاں علی مسجد نامی چھوٹی سی لیکن تاریخی مسجد بنی ہے۔ مسجد کے پاس چارے، سبزی اور پھلوں کی چند دکانیں ہیں۔ اس مسجد تک ۱۹۲۷ء میں دو دفعہ پہلے بھی آ چکا تھا اور یہاں ایک نماز ادا کرنے کا شرف بھی حاصل کر چکا تھا۔''(۶)

''اب ہم افغان علاقے میں چل رہے ہیں۔ درہ کا راستہ کشادہ ہوتا جا رہا ہے، پاس کی پہاڑیاں دور ہٹتی جا رہی ہیں۔ ۵ بجے کے قریب افغان مشرقی سرحداری کے پاس پہنچ گئے جس کا نام ڈکہ ہے۔ یہاں وادی وسیع ہے اور سامنے دریائے کابل کی نہایت کم چوڑی آبِ رواں کی چادر پھیلی ہوئی نظر آئی۔ ایک طرف افغانی سرحدار کا مغربی طرز کا بنگلہ تھا، دوسری طرف کچھ دیواروں کی عمارت کا ایک پھاٹک تھا جو افغانی سرحداری کا دفتر تھا۔(۷)

''اب شام ہو چکی تھی اور موٹر سناٹے کے عالم میں پوری تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی پٹھان کاشتکاروں کا غول یا خانہ بدوش مسافروں کا کوئی مختصر قافلہ مل جاتا تھا، جس کے ساتھ مویشیوں کا گلہ، باربرداری کرنے کے جانور یہاں تک کہ کبھی بیل یا گدھے کی پیٹھ پر مرغیاں بھی بیٹھی نظر آتی تھیں۔ وادیوں میں کہیں کہیں کھیت بھی تھے۔ یکے بعد دیگرے افغانی چوکیاں بھی گزریں جن کے مکانات عام دیواروں کے تھے۔''(۸)

سید سلیمان ندوی ہندوستان اور افغانستان کے مذہبی و تہذیبی رشتوں سے بخوبی واقف تھے۔ سلاطین غزنی، شاہانِ غوری اور ہندوستان پر صدیوں حکمرانی کرنے والے خاندان مغلیہ کا تعلق بھی اسی سرزمین سے تھا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ جیسی عظیم روحانی ہستی نے اسی دھرتی پر پرورش پائی اور پھر لاہور کو اپنی تبلیغی مساعی کا مرکز بنایا، اقبال کا ممدوح حکیم سنائی یہیں آسودۂ خاک ہے اور پھر اس دورِ غلامی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی نظر میں ایک آزاد اسلامی مملکت کے روپ میں افغانستان امیدوں اور محبتوں کا مرکز تھا، یہی وجہ ہے کہ سید صاحب کا یہ سفرنامہ وارفتگی اور ذوق و شوق سے عبارت ہے۔

سیرِ افغانستان ایک سرکاری سفر کی روداد ہے۔اس میں مجلات کی تاریخ، شاہی ضیافتوں اور امیرانہ عصرانوں کا ذکر بھی افراط سے ہوا ہے تاہم سید سلیمان ندوی کے جذباتی اسلوب، وارفتگی اور بے تابی نے اس سفرنامے میں ایک عجیب شعری کیفیت پیدا کر دی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب سفر نہیں کر رہے بلکہ مقاماتِ عبادت پر سجدہ ریزی کر رہے ہیں۔شبلی نعمانیؒ نے سفرنامہ روم ومصر وشام لکھ کر اس صنف ادب میں نئی طرح ڈالی تھی اس کو ارتقا کا اگلا قدم سید سلیمان ندوی نے سفرنامہ 'سیرِ افغانستان' لکھ کر دکھایا ہے۔(۹)

سید سلیمان ندوی جب افغانستان کے فرماں روا نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان پہنچے تو سر سید احمد خان کے پوتے سر راس مسعود اور شاعرِ مشرق علامہ اقبال بھی اسی دعوت پر وہاں پہنچ چکے تھے۔ یہاں شاہِ افغانستان نادر شاہ کی نگاہِ انتخاب کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی جس نے برصغیر کے تین عالی دماغوں اور نابغوں کو تعلیمی اصلاحات میں صلاح مشورے کے لیے مدعو کیا۔سید صاحب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے سفرنامے میں اپنے عزیز رفقا کو کسی بھی جگہ فراموش نہیں کیا۔ یوں سیرِ افغانستان ان تینوں احباب کا مشترکہ سفرنامہ بن گیا ہے۔ کابل کی انجمن ادبی نے اپنے تینوں مہمانوں کے اعزاز میں دعوتِ شب (ڈنر) کا اہتمام کیا تو افغانستان کے مشہور شاعر جناب قاری عبداللہ خان نے ''خیر مقدم'' کے عنوان سے تینوں ہستیوں کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عزیزاں ز ہندوستان آمدند
در افغانستان مہماں آمدند
در آناں یکے دکتر اقبال ہند
سخن پرور وواقف از حال ہند
ادیب سخن گستر نکتہ سنج
کہ ہر نکتہ اش بہتر آمدز گنج
دگر آنکہ او نامور سید است
گزیں نخبۂ آل سر سیّد است
ہنر مند سر راس مسعود نام
کز ومکتب ھند وارد نظام
سوم سیدما کہ از ندوہ است
زدانش بہ ھندوستان قدوہ است
زفیض دمش تازہ شد جان علم
در اقلیم دانش سلیمان علم

چہ کلکش بمعنی طرا زندہ شد
خیالات شبلی ازو زندہ شد (۱۰)

سید سلیمان ندوی نے سید راس مسعود اور علامہ اقبال کی وہ تقاریر بھی درج کی ہیں جو انھوں نے قیام افغانستان کے دوران میں مختلف تقاریب میں کیں۔ انجمن ادبی کابل کی تقریب میں سر راس مسعود کی تقریر کا ایک مختصر اقتباس افغانستان کے حوالے سے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا:

''ایک بات کہے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ سلطنت افغانستان کے جوانوں کو چاہیے کہ سفید بالوں والوں کی عزت واحترام کا ہر وقت خیال رکھیں، ایسا نہ ہو کہ اختلاف رائے سے ان کی قومی وحدت میں رخنہ پیدا ہو جائے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں کے نقصانات آپس کے نفاق اور تفرقہ کا نتیجہ رہے ہیں۔'' (۱۱)

علامہ محمد اقبال بھی سرزمین افغانستان اور اس کے باشندوں سے بے حد قلبی وابستگی رکھتے تھے۔ انھوں نے جہاں افغانستان کے اہل علم کو علمی مشوروں سے نوازا وہیں یہ بھی تلقین کی کہ ایک آرٹ تخلیق کریں جو زندگی کا معاون اور خدمت گار ہو، جو نوجوانوں کی فکری تربیت کرے۔ وہ بھی افغانیوں کو اتفاق واتحاد کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ یہاں علامہ کی گفتگو سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے جو علامہ کی عمیق نظری اور قوم شناسی پہ دال ہے۔ افغانستان کے موجود مسائل کے تناظر میں حضرت اقبال کی بصیرت کی داد دیجیے:

''میں ایک اور نکتہ بھی کہنا اور گزر جانا چاہتا ہوں۔ موسولینی نے ایک اچھا نظریہ قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اٹلی کو چاہیے کہ اپنی نجات حاصل کرنے کے لیے ایک کروڑ پتی کو پیدا کرے جو اٹلی کے گریبان کو اینگلو سیکسن اقوام کے قرضہ جات کے چنگل سے چھڑا سکے یا کسی دوسرے دانتے کو پیدا کرے جو نئی جنت پیش کرے یا کسی نئے کولمبس کو حاصل کرے جو ایک نئے براعظم کا پتہ چلائے۔ اگر آپ مجھ سے افغانستان کی نجات کے متعلق سوال کریں تو میں کہوں گا کہ افغانستان کو ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو اس ملک کو اس کی قبائلی زندگی سے نکال کر وحدت ملی کی زندگی سے آشنا کرے۔'' (۱۲)

''سیر افغانستان'' سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علامہ محمد اقبال نے سید علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے والد بزرگوار کے مزار پر بھی حاضری دی اور حکیم سنائی کے مزار کی زیارت بھی کی اور دیر تک زار زار روتے رہے۔

سیّد سلیمان ندوی نے اپنے سفرنامہ کا خاتمہ بھی علامہ محمد اقبال کی مثنوی ''مسافر'' کے اشعار پر کیا ہے اور لکھا ہے کہ کیا عجیب اتفاق ہے کہ آج ۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جب اس داستان سفر کی آخری سطر سے میں نے فراغت پائی ہے، ڈاک کے قاصد نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تالیف ''مسافر'' ہاتھ میں دی۔ یہ افغانستان کی چند روزہ سیاحت پر موصوف کے شاعرانہ جذبات کا مجموعہ ہے، جو ابھی شائع ہوا ہے۔ فارسی زبان میں

خیبر وسرحد وکابل وغزنین وقندھار کے حیرت انگیز مناظر ومقابر پر شاعر کے آنسو ہیں اور بابر، سلطان محمود، حکیم سنائی اور احمد شاہ درانی کی خاموش تربتوں کی زبان حال سے سوال وجواب ہیں۔ ''مسافر'' کا آغاز نادر شاہ شہید کے مناقب سے اور اختتام شاہ محمد ظاہر خاں سے اظہار توقعات پر ہے۔(۱۳) اس کے بعد خطاب بہ شاہ ظاہر خاں کے عنوان سے مثنوی ''مسافر'' کے آخری چند اشعار بھی درج کیے ہیں۔

اس طرح سید صاحب نے افغانستان کے باغات، مقابر، عمارات، دار العلوم، مدارس، اخبارات وسائل، مہمان خانوں، مساجد اور معروف شخصیات کو اس خوش سلیقگی سے سیرِ افغانستان میں زندۂ جاوید کر دیا ہے کہ سید عبد القدوس ہاشمی کو کہنا پڑا:

> ''اس سفر نامے میں سوانح بھی ہیں اور تذکرے بھی۔ احوال بھی ہیں اور افکار بھی۔ تاریخی اسناد بھی ہیں اور جغرافیائی معلومات بھی۔ مدارس ومعاہد کا حال بھی ہے اور اخبارات ورسائل کی فہرس بھی۔۔۔ دنیا میں حوادث وواقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ تاریخی یادگاریں اور اثری نشانات پائے ہی جاتے ہیں لیکن ہر شخص کو اقبال اور سلیمان ندوی کی آنکھیں کہاں ملتی ہیں۔''(۱۴)

سیرِ افغانستان سید سلیمان ندوی کی پختہ فکری اور عمیق نظری کی عمدہ مثال ہے۔ یہ ایک طرف اس دور کے افغانستان کی علمی، تہذیبی اور سیاسی فضا کا صادق بیانیہ ہے تو دوسری طرف سید صاحب کے قومی ملی اور مذہبی نصب العین کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔ صداقتِ اظہار اور شائستہ اُسلوب جاذبِ نظر بھی ہے اور ان کے خاص مزاج کا آئینہ دار بھی۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈاکٹر انور سدید۔ اردو ادب میں سفرنامہ۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، س ن، ص ۲۵۴

(۲) سید سلیمان ندوی۔ سیرِ افغانستان۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۷۸

(۳) ایضاً، ص ۱۰۷ (۴) ایضاً، ص ۲۰ (۵) ایضاً، ص ۲۴

(۶) ایضاً، ص ۹۰ (۷) ایضاً، ص ۱۰ (۸) ایضاً، ص ۱۲

(۹) ڈاکٹر انور سدید۔ اردو ادب میں سفرنامہ، ص ۲۵۸

(۱۰) قاری عبداللہ خان، ''خیر مقدم'' بحوالہ سیر افغانستان، ص ۴۸

(۱۱) سر راس مسعود، بحوالہ سیر افغانستان، ص ۵۰

(۱۲) علامہ محمد اقبال۔ ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کی تقریر۔ بحوالہ سیر افغانستان، ص ۵۵

(۱۳) سیّد سلیمان ندوی۔ سیرِ افغانستان، ص ۱۴۷

(۱۴) سید عبد القدوس ہاشمی۔ ''پیش لفظ'' سیرِ افغانستان، حیدر آباد: نفیس اکیڈمی، مئی ۱۹۴۵ء، ص ۴